قاری مجیب الرحمٰن (لاہور)

# مروجہ محافل قرأت اور مظلوم قرآن

اپنا بچپن تھا۔ابھی دنیا عالمی گاؤں (Globle Village) بن کر اتنی نہیں سکڑی تھی۔جتنی کہ اب! کمپیوٹر کی شکل تو کجا اس کا نام بھی خال خال سننے میں آتا تھا۔انٹرنیٹ جیسی اہم ایجاد جس کے ذریعے آج ہم گھر بیٹھے بیٹھے مختلف ویب سائٹس پر عالم اسلام کے قراً کی تلاوتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔تب ایسا سب کچھ خواب تھا۔انہی دنوں ایک دن ٹیپ ریکارڈر پر مصر کے عظیم قاری الشیخ رفعت رحمہ اللہ کی پرسوز تلاوت کانوں میں رس گھولتی ہوئی دل میں اُتر گئی۔وہ جو فیض نے کہا تھا...... ''جیسے ویرانے میں چپکے سے بہار آجائے'' اور......

جیسے صحراؤں میں ہولے سے چلے بادِ نسیم
جیسے بیمار کو بے وجہ قرار آ جائے

کچھ ایسی ہی کیفیت تھی یا پھر ایسی جسے لفظوں میں بیان کرنا شاید ممکن نہ ہو...... پھر بعد میں...... بہت بعد میں مصر کے ایک اور عظیم قاری الشیخ مصطفیٰ اسماعیل رحمہ اللہ کو سننے کا موقع ملا۔تو سالہا سال دل پر انہی کی حکمرانی رہی۔تاہم حسن ادا کی جو حس اپنے اسلاف بالخصوص امام القراً حضرت القاری عبدالمالک رحمتہ اللہ علیہ کے شاگرد خاص شیخ القراء حضرت قاری عبدالوہاب المکی رحمہ اللہ کی طویل صحبت سے پائی تھی۔وہ طرزِ ادا کے معاملے میں انہیں اپنا ''امام'' ماننے کو تیار نہ ہوئی۔امام القراء کے ایک اور مایہ ناز شاگرد حضرت قاری حسن شاہ صاحب رحمہ اللہ کی یہ روایت بھی ان کے فرزندار جمند برادرم قاری سید محمود الحسن صاحب کے ذریعے پہنچی کہ اباجی فرمایا کرتے تھے کہ لہجے کے تو یہ لوگ بادشاہ ہیں۔تاہم جب بات فن کی ہو۔تو پھر ''اُس طرف'' نہیں بلکہ ''اِس طرف'' یعنی اسلاف برعظیم کی طرف دیکھو۔

ادھر کچھ عرصہ سے بین الاقوامی محافل قرأت کا چلن عام ہو رہا ہے اور بالخصوص مصر کے قراء اپنے شعلۂ آواز سے ان محافل کو گرما رہے ہیں۔تاہم ہمیں یہ کہنے میں باک نہیں ہے کہ آواز کا یہ جادو کچھ زیادہ ہی سر چڑھ کر بولنے لگا ہے جو قلب ونظر کو شکار کرنے کے ساتھ ساتھ ہوش وخرد کو بھی شکار کر رہا ہے اور صورتِ حال حضرت اکبرالہ آبادیؒ کے اس شعر کا مصداق ہوتی جارہی ہے:

عیش کا بھی ذوق، دین داری کی شہرت کا بھی شوق
آپ میوزک ہال میں قرآن گایا کیجیے

بعض قراء کا انداز تلاوت کچھ یوں ہوتا ہے کہ جیسے قرآن نہیں پڑھ رہے بلکہ گا رہے ہیں اور پھر اس پر مستزاد سامعین کی داد ایک اور طرفہ تماشا ہوتی ہے۔جو بقول ایک ظریف کے داد نہیں بلکہ ''بے داد'' (ظلم) ہوتی ہے۔ہم نے شروع

میں الشیخ رفعت کا ذکر کیا تھا۔تب سے اب تک اسلاف واخلاف کا ''فرق'' نکالا جائے۔تو کچھ یوں بنتا ہے کہ وہاں '' آمد ''تھی تو یہاں '' آورد''۔ وہاں بے ساختگی تھی تو یہاں ساختگی۔ وہاں بے تکلفی تھی تو یہاں تصنع وبناوٹ' وہاں آہ آہ! یہاں واہ واہ! ایک کی آہ رساو آہِ جگر کا دل پر اثر۔دوسرے کی پیچ دیتی ہوئی آواز کا اثر صرف کان پر۔ایک کی تلاوت کا اثر سامعین پر یہ ہوکہ چشم پرنم،دل پرسوز اور جسم خشوع وخضوع کا مرقع۔دوسرے کی آواز کا چڑھاؤ اتار،اس کی پستی وبلندی اور زیروبم سے مجمع زیروزبر۔ایک کی تلاوت مُلا کی اذاں......ایک کی خلافِ شرع شکل دیکھ کر خوش ہو شیطان......ایک سے حاصل ہو حلاوت ایمان دوسرے سے لذت لیں صرف کان۔ یہاں یہ حال کہ بات بنائے نہ بنے۔وہاں بگڑنے میں بھی زلف اس کی بنا کی۔مختصر یہ کہ کہاں وہ سوز عرب کہاں یہ ساز عجم!

اور پھر ان جدید محافل کے ''ماڈرن'' سامعین کی داد بے داد کا منظر بھی دیدنی ہوتا ہے۔کہیں کوئی ''دیوانہ'' نعرۂ مستانہ بلند کررہا ہے تو کہیں ہاتھ نچا نچا کر ایسے داد دی جارہی ہے کہ جیسے داد نہ دے رہے ہوں بلکہ صدائے احتجاج بلند کررہے ہوں......کچھ کھڑے رومال ہلا رہے ہیں......تو کہیں یہ منظر بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ کوئی پستہ قامت ''چھوکرا'' دوسرے کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اچھل کود کررہا ہے......بدقسمتی سے قاری کی آواز اٹھائے نہیں اٹھتی۔یا پھر درمیان میں ہی اکھڑ گئی تو اب سامعین آوازے کسنے کی شکل میں اپنی آواز کا جادو جگا رہے ہیں۔

پہلے تمہاری باری تھی' اب ہماری باری ہے

یوں لگتا ہے جیسے محفل قرأت نہ ہو۔بلکہ عہد قدیم کی دلی ولکھنؤ میں کہیں محفل مشاعرہ برپا ہو۔جہاں سامعین داد کے ڈونگرے برسا رہے ہوں......اور شاعر صاحب آداب وتسلیمات بجا کر داد وصول کررہے ہوں۔یا پھر کسی غریب شاعر پر پھبتیاں کسی جارہی ہوں۔ماہر القادری مرحوم ہوتے تو آج اپنی شہرہ آفاق نظم ''قرآن کی فریاد'' کے اس شعر کا عملی نمونہ بچشم خود ملاحظہ کرتے۔

دل سوز سے خالی رہتے ہیں آنکھیں ہیں کہ نم ہوتی ہی نہیں
کہنے کو میں اک اک جلسہ میں پڑھ پڑھ کے سنایا جاتا ہوں

ایک بزرگ قاری کے بقول یہ قرآن پڑھنا نہیں۔ بلکہ ذبح کرنا ہے۔یہ ذبح کرنا بھی کئی طرح سے ہوتا ہے۔ کہیں تو آواز یوں اٹھائی جاتی ہے۔جیسے کوئی گویا تان اٹھا رہا ہو۔کہیں فن اور طرزِ ادا میں ایسی فاش اغلاط کی جاتی ہیں کہ توبہ ہی بھلی۔کہیں حرکات کو بڑھایا جارہا ہے۔کہیں مدات میں آواز کو نچایا جارہا ہے۔کہیں حرف مدہ کو اس کی اصلی مقدار سے بڑھایا جارہا ہے اور کہیں مخارج وصفات ذاتیہ سے انحراف کیا جارہا ہے۔کہیں مخفف کو مثقل اور کہیں حالت سکون میں مخرج کو حرکت دی جارہی ہے۔کہیں صورت یوں بگاڑی جاتی ہے کہ معصوم بچے دیکھیں تو سراپا استفسار بن کر پوچھیں کہ ماما انہیں کیا ہوا ہے اور کوئی نکتہ داں دیکھے تو صورت تکتا رہ جائے کہ:

یاالٰہی! یہ ماجرا کیا ہے

کبھی لاؤڈسپیکر کے دائیں بائیں جھکائی دے کرآواز کو بہت پست کر لینا اور کبھی پڑھتے پڑھتے لاؤڈ اسپیکر کے عین سامنے آواز کے پاٹ اور اس کی گونج کو اتنا اوپر لے جانا کہ گویا کہہ رہے ہوں: ہوشیار، خبردار! کہ اب داد دینے کا وقت آیا۔ کبھی گویوں کی طرح ہاتھوں کو کان پر لے جانا اور کبھی گلوکاروں کی طرح تان اٹھانا اور ہاتھ کو فضا میں اوپر نیچے لہرانا۔ کبھی ہاتھوں سے چہرے کو چھپالینا اور کبھی ہٹالینا۔ ''صاف چھپتے بھی نہیں اور سامنے آتے بھی نہیں'' کی ہو بہو تصویر۔

قرآن کے نام پر سجائی گئی ان محافل میں قرآن گویا دور کھڑا یوں کہہ رہا ہوتا ہے کہ ''یوں بھی مجھے رسوا کرتے ہیں۔ ایسے بھی سنایا جاتا ہوں۔'' ہمارے نزدیک ایسی محافل کو محافل قرأت کی بجائے محافل مظاہرہ سانس اور صوت کہنا زیادہ صحیح ہو گا۔ حالانکہ سانس اور صوت تو ایک امر زائد ہے۔ برعظیم پاک و ہند کے معروف قاری شیخ العرب والعجم حضرت قاری عبدالرحمٰن مکیؒ اپنی کتاب فوائد مکیہ صفحہ ۴ پر فرماتے ہیں کہ اگر قوائد تجوید کے خلاف نہ ہو تو خوش آوازی سے پڑھنا امرِ زائد مستحسن ہے۔ اگر چھوٹی غلطی (لحن خفی) کے ساتھ ہو تو مکروہ اور اگر بڑی غلطی (لحن جلی) کے ساتھ ہو تو پڑھنا اور سننا دونوں حرام ہیں۔ لیکن:

مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں

چنانچہ یہ کام ان اداروں سے ہوتا ہے۔ جو تجوید و قرأت کی نشر و اشاعت کے داعی ہیں۔ ایسے پلیٹ فارم سے اس طرح کے حضرات کی ایسی تلاوت اور دوران سماعت سامعین کے ساتھ ساتھ خود نکتہ دان فن کی والہانہ داد گویا ایک طرح کی سند ہے کہ اللہ کرے رفتار ترقی اور زیادہ! اور اگر اسی رفتار سے ان محافل اور اس طرح کے کاموں کی حوصلہ افزائی کی جاتی رہی تو صورتِ حال کہیں حضرت اکبرالہ آبادی کے اس شعر کے مصداق نہ ہو جائے:

رفتار ترقی یہ کہیں ناچ نہ ہو جائے
یہ قرأت مصری کہیں کھماچ نہ ہو جائے

(یاد رہے کہ کھماچ ایک قسم کی راگنی کو کہتے ہیں)

ایک صاحب نظر بزرگ سے پوچھا کہ آخر ایسی فاش اغلاط کے ساتھ تلاوت اور داد کے نام پر اس ہڑبونگ کو روکا کیوں نہیں جاتا۔ جو جاننے والے ہیں۔ وہ کیوں منہ میں گھنگنیاں ڈالے بیٹھے ہیں۔ جواب تھا کہ کوئی مرکزی شخصیت نہیں کہ جس کے سامنے سب سر تسلیم خم کریں۔ ہر بندہ اپنی جگہ گرو اور امام ہے۔ اسی وجہ سے ''جھول ہے، پیچیدگی ہے، ابتری ہے، بھول ہے'' کبھی یہ شہر لاہور قاری محمد اشرف صاحب، قاری اسماعیل صاحب، قاری اظہار احمد تھانوی صاحب، قاری سید حسن شاہ صاحب، قاری شاکر انور صاحب، قاری عبدالعزیز شوقی صاحب اور قاری عبدالوہاب مکی صاحب جیسے اساتذۂ فن کے حلقہ ہائے دروس سے گونج رہا تھا اور اب یوں کہیے: ''وہ عہد گیا، وہ موسم وہ ہنگام گیا''

یا قافلہ در قافلہ ان رستوں میں تھے لوگ
یا ایسے گئے یاں سے کہ پھر کھوج نہ پایا

(میر تقی میر)

ان محافل کی غرض وغایت اور مقصد وحید بہرطور نشر واشاعت تجوید وقرأت اور حصولِ رضاءالٰہی ہونا چاہیے۔ نیز منتظمین وسامعین کو اس بات کا ٹھنڈے دل سے مراقبہ کرنا چاہیے کہ آیا ان محافل کے انعقاد سے کہیں منکرات کی ترویج تو نہیں ہورہی؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ادائیگی مخارج وصفات پر ساز وآواز کو فوقیت دے کر ایک غلط قسم کا ذوق پروان چڑھایا جارہا ہو؟ اور پھر ایسا نہ ہو کہ یہ ذوق مٹائے نہ مٹے۔

ویسے تو ہمارے اسلاف برعظیم کی سند کا سلسلہ بھی مصری قراء سے ہی ملتا ہے اور اگر یہ کہا جائے تو شاید غلط نہ ہو کہ قراء برعظیم نے اسلاف قراء مصر کی میراث کی حفاظت اپنے خونِ جگر سے جس طرح کی ہے۔خود آج کل کے قراء مصر بھی اس پر پورا نہیں اترتے۔اس لیے فن تجوید وقرأت کے معاملے میں ان اسلاف کی خدمات، ان کے درخشندہ حالات وآثار کے تذکرے اور مطالعے سے آئینہ ایام میں اپنی تصویر دیکھ کر اپنے معائب کو محاسن سے بدلا جائے اور ان کی تعلیمات کو پیش نظر ہی نہیں رکھنا چاہیے بلکہ مسلسل ومکرر اس کا مطالعہ وتذکرہ ہونا چاہیے جس کا ایک سبق یہ بھی ہے کہ سانس اور آواز وغیرہ کو فن تجوید کے تابع رکھنا چاہیے:

کر بلبل و طاؤس کی تقلید سے توبہ
بلبل فقط آواز ہے طاؤس فقط رنگ
(اقبالؔ)

☆......☆......☆

روایت: ادیب الاحرار منور غوری مرحوم

## دو مظلوم......قرآن اور بخاریؒ

جنوری ۱۹۴۸ء میں قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمۃ اللہ علیہ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے خان گڑھ تشریف لے گئے۔نواب زادہ نصر اللہ خان صاحب مرحوم انہیں شاہ جی کے مکان پر لے چلے۔

مردان خانہ کی طرف بڑھے تو دیکھا کہ شاہ جی دھوپ میں بیٹھے قرآنِ پاک کا مطالعہ فرما رہے ہیں۔

نواب زادہ نصر اللہ خان نے شاہ جی کو خاص کیفیت میں مصروف مطالعہ پا کر......بے اختیار کہا......قاضی!

وہ دیکھو دو مظلوم!

قرآن اور بخاری

ایک لاوارث مصحف! اور ایک معتوبِ روزگار انسان!

دونوں ہی انسانیت کی گمراہی پر ملول ہیں

ایک جھکا ہوا

ایک پھٹا ہوا